

۷۸۶

جذبات حریت

حصۂ اوّل

علامہ اقبال، حضرت اکبر الہ آبادی، سید الاحرار مولانا حسرت موہانی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا آزاد سبحانی، رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جوہر، فخر قوم مولانا ظفر علی خاں صاحب، پنڈت برج نرائن چکبست، لالہ لال چند صاحب فلک، میر نیرنگ، نیاز فتحپوری، سید ہاشمی، وغیرہ حضرات کی دل ہلا دینے والی بہترین

قومی نظموں کا مجموعہ

مرتبہ منشی مشتاق احمد صاحب میرٹھی

مع تمہید

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی ناظم انجمن علمائے صوبہ متحدہ
و مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

جسکو ناظم قومی دارالاشاعت شہر میرٹھ نے محلہ کوٹلہ سے

سنہ ۱۳۵۴۰ھ

ہاشمی پریس میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

جذباتِ حریت

کو رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب۔ مولانا شوکت علی صاحب۔ ڈاکٹر کچلو صاحب۔ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب۔ مولانا عارف ہسوی صاحب۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب وغیرہ حضرات نے بیحد پسند فرما کر مؤلّف کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور ناظرین کی قدردانی اور حوصلہ افزائی سے پہلا اڈیشن دو ماہ میں ہی ختم ہوگیا اور دوسرے اڈیشن کا تقاضہ ہونے لگا۔ خاکسار مسئلہ خلافت کی اور اور بہترین کتابوں کی ترتیب میں مصروف تھا لیکن پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر دوسرا اڈیشن سابقہ حالت میں ہی شائع کر رہا ہے۔ عنقریب جذباتِ حرّیت کا دوسرا حصّہ آپ کی خدمت میں پیش ہوگا۔ امید ہے کہ اُس میں اور بہترین نظمیں آپ کو ملیں گی

راقم

مشتاق احمد محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

تقریظ از حضرت مولٰنا محمد عبد الماجد صاحب قبلہ بدایونی مدظلہ العالی

ہندوستان کے قومی ذوق کا یہ عہد جدید اگرچہ ابھی تک مستقل و کامیاب ادبیات کے زیور سے آراستہ نہ کہا جائے اور ایک زندہ قوم کے آثار کے لیے جس استحکام و یکرنگی و پختگی خیالات کی ضرورت ہے ویسا نہ بھی مانا جائے تاہم یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ایک کافی حد تک ہندوستان میں اور بالخصوص مسلمانوں میں گذشتہ عہد تعیش کے لحاظ سے ایک حد تک مذاق قومی و مادہ حیات جذبات انگیز و دہن و نشر خیالات ترقی و اصلاح خیر کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس وقت یہ فیصلہ ہمارے لیے فرض نہیں کہ اس ابتدا میں مذہبی طور پر علماء نے میلاد ناموں مناجات و دواوین حمد و نعت اور فقراء نے منظوم اخلاق و حکایات سے میدان سبقت لیا یا مولٰنا حالی یا مولٰنا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس قلعہ کی فصیلوں پر پہلے کمند ہمت پہنچا کر یہاں سبقت ہوئی اور ایک خاص حرکت پیدا ہوئی جس نے بتلا دیا کہ قوت نظم سے صرف مضامین تغزل و مدح ارباب دنیا یا ظرافت و تفنن کا ہی کام لینا ایک روشن لطافت کو ریت میں ملا دینا ہے اور ایک شفاف حوض قاذورات کا ڈال دینا۔ صحیح ادراک و نیک خیالات رکھنے والی طبیعتیں ادبیات کے میدان ظہور میں آئیں اور قومی صلاح و فلاح کے لیے جو قدرتی اثر نظم کو بخشا گیا ہے۔ اس سے کام لیا جائے گا۔ اثر فطرت کے مطابق تھا اور کام جذبات صحیحہ کے مقتضیات کا۔ لہذا قبول نے آغوش وا کی اور اجابت قومیہ نے لبیک کی صدا بلند کی قومی و تعلیمی و مذہبی مجالس میں واعظین و مقررین کی فہرست میں قومی و ملکی و مذہبی شعرا کا نام بھی دیکھا جانے لگا خطیب کے ساتھ ادیب بھی نظم اصلاحی کی غزل مسدس وغیرہ وغیرہ سنانے آتا رہا۔ قومی اخبارات کو بھی جب جذبات کی جلا و تزئین منظور و مقصود ہوئی تو ان کا سرنامہ بھی نظم قومی کے روشن طغرا سے منور و ضیا بخش ہو گیا۔ یہ احساس قوم میں نسبتاً جلد پیدا ہوا اور پھر جلد روشناس ہو گیا۔

سب کو معلوم ہے کہ قریب تر گذشتہ جنگ طرابلس و جنگ بلقان کے دوران میں ہندوستانی

اخبارات ومجالس میں جس چیز نے خصوصیت سے قلوب کو گرمانے اور تڑپانے میں مدد کی وہ نظم
جذبات ہی کی قوت تھی اور یہی وہ قوت تھی جس میں اہل درد و شعرا و ادبا نے حق و صداقت
و حریت کے جذبات کی صحیح ترجمانی ادا کی اور اسی قوت نے ہندوستان کے محیط میں عام و خاص
تک آواز حق و کلمۂ صداقت کو پہونچایا۔ کتنے دل ہیں جو اب تک صرف ان نظموں اور شعروں
کی لذت ورد لیا کرتے ہیں جن کو اب سے پانچ چھ سال قبل سنا اور پڑھا تھا اور کتنی روحیں
ہیں جو آج اُن تمام منظومات کے لئے بیقرار ہیں جو خاص خاص حوادثات پر شاعر کے دل و دماغ
سے فیض روح القدس (کہ سر غیبی) اور آواز حریت و سطوت الٰہی ہو کر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ چونکہ یہی
نظمیں خاص خاص حالات اور اوقات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے مختلف اوقات و
مختلف جرائد و مختلف صحبتوں میں ان کا نشر و اظہار ہوتا ہے اور ایک ساتھ ایک شخص کو ان کا
حصول ایک وقت میں مشکل و دقت طلب بن جاتا ہے۔

عزیزی منشی مشتاق احمد صاحب میرٹھی نے (جن کی زندگی خدمات قومی میں گذر رہی ہے
اور وہ خود کو اپنے ایثار و خدمت سے ایک نوجوان و باہمت خدمت گذار ملک و قوم بنا رہے ہیں) اس قسم کی اکثر اور بہتر نظموں کو کافی تلاش کے بعد جمع و فراہم کر کے ایک مجموعہ تیار کیا ہے
جس کو آپ پڑھ رہے ہیں اور جس کی تعارف میں یہ فقیر چند سطور عزیز مکرم کے اصرار سے حاضر
کر رہا ہے۔

عبد الماجد القادری بدایونی

تقریظ از مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

جذباتِ حرّیت

اس نام کا ایک مجموعہ جس میں ہندوستان کے اکثر نامور حضرات کی نظمیں ہیں جناب مشتاق احمد صاحب میرٹھی نے مجکو دکھایا۔

تمام مجموعہ کو تفصیل و غور سے پڑھنے کی فرصت نہ تھی۔ سفر کے لیے دست بہ ٹکٹ بیٹھا تھا۔ سرسری نظر سے عنوانوں کو دیکھا۔ کہیں کہیں سے اشعار بھی پڑھے اس واسطے حقیقی تقریظ کا حق ادا کرنا مشکل نظر آیا۔

علاوہ ازیں میں نہ شاعر نہ فن نظم میں کچھ شعور۔ مؤلف صاحب کی نیک گمانی کا احترام ہے جو چند سطریں لکھدیں ورنہ کجا اس اعلےٰ پایہ کی نظمیں اور کجا میں پراگندہ حواس۔

مجموعہ کا نام رہنمائے حریت رکھا جاتا تو صحیح ترجمانی ہوتی کہ اس قسم کی چیزیں انسان کے احساس حریت و خودداری کو بیدار کرکے بلند ہونے اور آگے بڑھنے کا راستہ بتاتی ہیں۔

یہ مجموعہ ایسے وقت میں شائع ہو رہا ہے کہ ہندوستان میں حریت آغوش مادر سے اتر چکی ہیں۔ تتلائی ہوئی زبان سے اس نے بولنا اور کیفیاتِ قلب کو پیاری مگر ٹھیک طرح سمجھ میں نہ آسکنے والی زبان میں بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی کا ایک شعر اس مہینے میں کہیں شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ گاندھی کی نثر نے اس قدر ہر دل عزیزی حاصل کر لی ہے کہ اب اکبر کو نظم لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مگر میرا خیال ہے کہ ملک کے ایک بڑے حصہ کی رہنمائی جذبات و خیالات نظم کے بغیر ناممکن ہے۔ خصوصاً ایشیا اور ہندوستان اور مسلم قوا کو تو نظم سب ملکوں سے زیادہ حرکت میں لایا کرتی ہے۔ آج جو ازجی حریت اور آزادی کے سمندر کی موجوں اور اثیر کی لہروں کی طرح فضائے ہند میں جنبش کر رہی ہے وہ سب اکبر الہ آبادی اور ڈاکٹر اقبال کی نظموں کا طفیل ہے۔

اس معاملے میں مجدد اعظم حضرت اکبر ہیں[1] جنہوں نے غدر ۵۷ء سے پہلے اور بعد سے لے کر آج تک کوئی موقعہ بھی احساس و جذبات کو نظموں کے ذریعہ سے بیدار کرنے کا باقی نہیں چھوڑا اور اب بھی باوجود کبر سنی اور ناتوانی کے ان کی ذہنی بجلیاں اسی تیزی سے چمکتی نظر آتی ہیں حضرت اکبر کے بعد ڈاکٹر اقبال کا درجہ ہے جن کے فلسفہ

[1] افسوس کہ حضرت اکبر اس جہان سے رحلت فرما گئے۔ خداوند کریم مغفرت فرماوے +

آمیز کلام سے ہندو مسلمانوں میں اصلی حیات حریت کی روح پھونکی۔ باقی شعرا سب ان ہی آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں ہیں۔

اس مجموعہ میں حضرت اکبر اور ڈاکٹر اقبال کے کلام کا بہت معقول اور خاصا ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے اور دیگر شعرا کا کلام بھی مولف کے انتخاب کی عمدگی کو ظاہر کرتا ہے مشتاق احمد صاحب میرٹھی جو اس مجموعہ کے مولف ہیں ایک عملی مسلمان ہیں۔ انہوں نے اپنی معیشت کے ایک مطمئن مشغلے کو موجودہ تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں خیرباد کہہ کر یہ قومی خدمت اور حصول معاش کا دو معنی طریقہ بہت مناسب تجویز کیا ہے۔ میں ہر مسلمان کو اور ہر ہندوستانی کو ایسے ہی مفید عملی مشاغل میں دیکھنا ملک کی ترقی کا موجب سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تمام ہندوستان میں اس کی قدردانی ہوگی اور اہل ذوق ہاتھوں ہاتھ اس کو خریدیں گے اور فیاض لوگ بے استطاعت لوگوں میں خرید خرید کر مفت تقسیم کریں گے۔

حریت کا جذبہ

جذبات حریت کی تقریظ کا اثر دیکھئے ظلم اقتدار کثرت کی اسیری میں مقید لکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھ میں یکایک وحدت کا خمار پیدا ہوا اور اس

نگاہ سے آزادی کے سُرخ ڈورے نمودار ہوئے۔ ان ڈوروں پر حسرتِ حریت آنسو بن کر آئی اور کاغذ پر حریت کا جذبہ نثر میں لکھا ہوا نظر آنے لگا۔

دیکھا تو چند آہوں کے نقوش تھے۔ آہ کہہ کر آہوں کا سینہ چاک کیا تو اندر سے ہزاروں بے قراریوں کا مواد اُبل پڑا۔ زخم بہ چکا تو ناسور کی گہرائی نظر آئی۔

یہ کس قدر خوفناک ہے۔ یہ کتنا تکلیف دہ ہے۔ جس دل و جگر پر یہ ناسور ہو وہ کیونکر جیتا ہوگا۔ اس کو سورج کی روشنی۔ چاند کا نور۔ فضا کی آزاد اور خود مختار ہوا کس طرح چین لینے دیتی ہوگی۔

کائنات میں ہر شئے حُر ہے۔ ہر مخلوق کو آزادی و حریت حاصل ہے آسمان کسی کا تابع دار نہیں۔ اس کے ستارے اگرچہ فطرت اللہ کے قانون پر چلتے ہیں مگر کسی اپنی جنس کی اطاعت ان پر واجب نہیں ہوا آزاد مطلق ہے۔ پانی کو کسی پانی کی ماتحتی سے سروکار نہیں آگ اپنی خودی کی خود مالک ہے۔

عناصر سے جو مورتیں جاندار و بے جان بنی ہیں وہ بھی سب اپنی جنس کی خود مختار ہیں اور حیاتِ خود اختیار نہ رکھتی ہیں۔ فاختہ مظلوم مشہور ہے کوا اس کو ستاتا ہے۔ مگر وہ بھی کوّے کی محکوم نہیں ہے۔

پلینڈگ کو سانپ کو مور، مور کو آدمی
ہلاک کر ڈالتا ہے مگر یہ نہیں دیکھا کہ ان میں سے کوئی کسی کا زیر
فرمان ہو اور بغیر حکم فرمانروا کے زندگی کا کوئی سانس نہ لے سکے۔
کمزور اور راہگیروں کے پیروں میں کچلی جانے والی چیونٹی بھی
حریت کی تاجدار ہے کوئی اس کا ہم جنس حاکم نہیں۔ ایسا جو
اس کی جنس کی آزادی کا مالک ہو اور جس کی مرضی کے بغیر وہ خدا
کی زمین پر حرکت نہ کر سکے۔
مگر آدمی۔ حریت سے محروم ہے اس کا دعویٰ اشرف المخلوقات
جب اپنی اس پابندی کو دیکھتا ہے تو آہ کہہ کر کلیجہ تھام لیتا ہے
اور اس نے اس کے دل و جگر میں یہ ناسور ڈالا ہے جو گھڑی گھڑی
اندر ہی اندر انسان کے اطمینان و تسکین کو دکھ دیتا ہے
اور کسی گھڑی چین نہیں لینے دیتا۔
غیب کی صدا آتی ہے کہ اب مرہم بھیجا جائے گا۔ اب ناسور
کے بھرنے کا زمانہ آئے گا
جو سنتا ہے وہ مایوسی کے عالم میں پوچھتا ہے۔ الٰہی وہ کب آئیگا
وہ کیوں کر ہو گا۔ اس سے کہو مایوس نہ ہو۔ جذبات نظم میں سامنے
آیا۔ نثر میں صورت دکھائی۔ عمل میں بھی ان کے جلوے نظر

آ رہے ہیں اور یہی وہ آئینے ہیں جن میں اصلی و پوری حرّیت کی تصویر جو ہر ہم ناسوز سے نظر آسکتی ہے۔

حسن نظامی

جذبۂ حریت

علامہ اقبال

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑونگا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑونگا

دکھادونگا میں ای ہندوستاں اک روز سبکو
کہ اپنی زندگانی تجھ پہ قرباں کر کے چھوڑونگا

جلاتا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری ظلمت میں میں روشن چراغاں کر کے چھوڑونگا

نہیں ہے وجہ وحشت میں اڑانا خاک زنداں کا
کہ میں اس خاک سے پیدا بیاباں کر کے چھوڑونگا

شہید تیغ زنداں ہوں گو یوسف خود بھی
مگر تعبیر خواب اہل زنداں کر کے چھوڑونگا

مگر غنچہ کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑونگا

ابھی مجھ دل جلے کو ہم صفیرو اور رونے دو
کہ میں سارے چمن کو شبنمستاں کر کے چھوڑونگا

مجھے ای ہمنشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑونگا

اگر آپس میں لڑنا آج کل کی ہے مسلمانی
مسلمانوں کو آخر نامسلماں کر کے چھوڑونگا

اٹھادونگا نقاب عارض محبوب یک رنگی
تجھے اس خانہ جنگی پر پشیماں کر کے چھوڑونگا

دکھادونگا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑونگا

جو تیرا درد تھا تاکا ہے اسنے میرے پہلو کو
تری افتاد نے توڑا ہے میرے دست بازو کو

فریاد

جناب قیصر دہلوی

اجاڑ کر مرا گلشن سے آشیاں صیاد
رہیگا تو بھی نہ دنیا میں شادماں صیاد

سنبھل کہ گرتی ہیں اب تجھ پہ بجلیاں صیاد
گئی ہے آہ رسا سوئے آسماں صیاد

زبان حال سے کچھ تو ہمیں بھی کہنے دے
گلا نہ گھونٹ ذرا کھول انگلیاں صیاد

وفا شعار رہے ہیں ترے جاں نثار رہے
اس آس پر کہ تو ہے اپنا قدرداں صیاد

کرم کے بدلے جو ہوتا ہے اب ستم ہم پر
یہی تھا قول ترا یعنی یہی زباں صیاد

صلہ وفا کا ترے در سے یہ ملا ہم کو
کہ آج لٹتا ہے ہستی کا کارواں صیاد

قصور کس کا ہے خود سوچ لے ذرا ظالم
زمانہ کس پہ اٹھاتا ہے انگلیاں صیاد

کچھ اپنے وقت کی بھی یادگار رہنے دے
مٹے ہوؤں کا مٹاتا ہے کیوں نشاں صیاد

یہ یاد رکھ کہ خدا کو بھی منہ دکھانا ہے
ستم تو جو ترا جی چاہے کر یہاں صیاد

خدا کرے نہ پھلے نخل آرزو تیرا
مٹائے گلشن حرص و ہوا خزاں صیاد

وہ دن گئے کہ ہمیں زندگی کی حسرت تھی
فضول قتل کی دیتا ہے دھمکیاں صیاد

غضب کی ہیں تری جادو بیانیاں قیصر
کہ اپنی بھول گیا نشتر انیاں صیاد

درسِ وفا

جناب نیاز فتحپوری

حکم یہ ہے کہ قلب میں شورشِ مدعا نہ ہو
آہ نہ ہو فغاں نہ ہو شیون برملا نہ ہو

قطع رگِ گلو پہ بھی اذنِ تپش نہیں ہمیں
خوف یہ ہے کہ داغدار انکی کہیں قبا نہ ہو

سی دئے ہونٹ تاکہ یہ زحمتِ گفتگو مٹے
ہاتھ ہے قطع تاکہ پھر نازکشِ دعا نہ ہو

انکے حضور میں ہمیں عرضِ وفا کا شوق ہے
ان کو یہ زعم ہے کہ لب وا کہیں کھلا نہ ہو

انکا وقار پُر غرور رخصتِ گفتگو نہ دے
لب پہ ہزار درد کا کوئی لئے فسانہ ہو

کرتے ہیں یار ذبح عام وہ بھی غرض ہے اسقدر
باب حرم پہ کوئی سر پھر کبھی جبہ سا نہ ہو

ان کو روا ہے غرتیں ساری ملا دیں خاک میں
حقِ عبودیت اگر ہم سے کبھی ادا نہ ہو

ان کی جفائیں تو ہیں وجہ ملال بھی نہوں
اپنا نیاز بھی انہیں جور کا اک بہانہ ہو

چھوڑیں نہ وہ کلی تاکہ اوس ہمارے واسطے
حکم ہے پھونک دو اگر باغ میں آشیانہ ہو

کیسی امیدِ دلدہی، کیسی توقعِ کرم
جبکہ زباں ہی واقفِ لذتِ التجا نہ ہو

رنجش سے داغدار ہو لاکھ ہلال کی جبیں
دستِ صلیب سے ہیں اس کا مگر گلہ نہ ہو

انقلاب حریت

سید ہاشمی فرید آبادی

بہت سمجھا کیا میں صبر و خاموشی کو دانائی
بہت کہتا رہا کچھ کر نہ سکنے کو شکیبائی

بہت دن ذلتوں کو مصلحت جانا کیا لیکن
بس اب اے ہمنشیں میری طبیعت جوش پر آئی

بھڑک اٹھی ہے نبض میں پیدا ہے تڑپ قلب سے ظاہر
نفس ہے یا سانپ کی پھنکار ہے بھونچال کی انگڑائی

لہو غیظ و غضب کا آنکھ کی رگ رگ سے بہ نکلا
گرا جب خاک پر کٹ کر مرا غشا تو جی بھائی

کلیجے پر لگا گھونسا جگر پر چل گئے آرے
ابھر آیا ابل کر خوں میرے سینے کی گہرائی

تپ غیرت کی آتش میرے احشا میں بھڑک اٹھی
سحاب خواب غفلت چھٹ گیا یوں جس طرح کائی

مرے ہر سانس میں اک انقلاب حریت اٹھا
مرے اک ایک ریشے نے حمیت کی قسم کھائی

بہا ہیجان خوں رہا ہوا جس میں نامردی
مجھے خود اعتمادی نے پہنایا تاج دارائی

بس اب میں اپنے ملکِ نفس کا سلطان مطلق ہوں
بس اب ہے آج سے آغاز میری کار فرمائی

مصر اور ہندوستان کے مسلمان

علامہ اقبال

کل اک شوریدہ خوابگاہِ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں

پیرانِ جم و مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

غضب ہیں یہ مرشدانِ خود بیں خدا تری قوم کو بچائے
مسافرانِ حرم کو ظالم رہِ کلیسا دکھا رہے ہیں

بتائیں کیا زندگی گذرتی ہے ہند کی بتکدہ میں کیسی
قتیلِ جور و جفا رہے ہیں شہیدِ ناز و ادا رہے ہیں

فریبِ تہذیبِ نو میں آ کر جنہوں نے اپنا شعار چھوڑا
زمانہ کی رہگذر میں پامال صورتِ نقشِ پا رہے ہیں

سنیگا اقبال کون ان کو یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانہ میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

عرض

علامہ اقبال

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری

میں نوائے سوختہ در گلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بو
میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دلبری

مرا عیش غم مرا شہد سم مری بود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم گروِ عجم ترا دیں خریدۂ کافری

تری آنکھ میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم

وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

دُعا

علامہ اقبال

یا ربِ دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشہ دے پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشہ کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

آتش نفسی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے
اس بادیہ پیما کو وہ آبلہ پا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلیٰ دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خودداریٔ ساحل دے آزادیٔ دریا دے

بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کو
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

سنّت سجّاد

حضرت علامہ فاخر الہ آبادی۔ بزمانہ قید

آنکھ ہے محوِ تجلی وصل سے دل شاد ہے — قید میں بھی طبع بیخود ہر طرح آزاد ہے
بیڑیاں مجھ کو پہننے میں ذرا ذلت نہیں — باپ دادا کا طریقہ سنّت سجّاد ہے

ہندوستان سے خطاب

نامعلوم

سنا ہو جو درد دل رکھتا ہے اے ہندوستاں تو بھی — جگر کے خوں کو دیکھتا ہی بلبلوں کا نشاں تو بھی
اِس بہار اٹھایا بلبلوں نے اپنے نالوں سے — دکھا اندازِ محشر ہو کے سرگرم فغاں تو بھی
ستم پنجاب میں جو تیرے بچوں پہ ٹوٹے ہیں — بہت کچھ سن چکا ہے انکی رنگیں داستاں تو بھی
دکھا اپنے جگر کا داغ جو شرمائے سورج کو — بنا مشرق کو مغرب اور زمیں کو آسماں تو بھی
غلط انداز ہیں صید افگنوں کے بے اماں ناوک — نکال اک تیر ترکش سے کہ رکھتا ہے کماں تو بھی

سنی ہے ہم نے ٹن ٹن پال کے گرجا کے گھنٹے کی
بجا مندر میں سنکھ اور مسجدوں میں دے اذاں تو بھی

یہ کیسا دیس ہے جس دیس کے ہم رہنے والے ہیں — گرفتار بلا ہیں اور خطا یہ ہے کہ کالے ہیں

غنیمت تھا قفس میں بال و پر کا پھڑپھڑا لینا
مگر صیاد نے افسوس وہ بھی نوچ ڈالے ہیں
چمکتے ہیں ہمارے داغ دل اس طرح رہ رہ کر
لہکتے جن اداؤں سے حنا باغوں میں لالے ہیں
پڑے تھے پاؤں میں گاندھی کے جو صحرائے غربت میں
ہمارے یہ درخشاں داغ ہائے دل وہ چھالے ہیں

خون شہیداں

ایک فلاسفر کے قلم سے

نہیں مٹتا نشان خوں کبھی دامان قاتل سے
لکھی جاتی ہے اک تحریر خونیں خون بسمل سے
چمکتا ہے یہ آنسو بنکے چشمان یتیماں سے
عیاں ہے آب گوہر بنکے یہ لعل بدخشاں سے
اسی کا ایک قطرہ بحر کو خوناب کرتا ہے
یہی گردش میں آکر قلب کو بیتاب کرتا ہے
شفق بنکر فلک پہ سوز و شب موجود رہتا ہے
اسی سے دامن چرخ کہن آلودہ رہتا ہے
یہی مے بنکے رہتا ہے سدا لالے کے پیالے میں
اسی کا نور روشن ہے اندھیرے میں اجالے میں
یہی رنگ حنا بنکر کسی دست ستم میں ہے
یہی گلگونہ بنکر رنگ رخسار صنم میں ہے
وہاں زخم سے یہ کر کچھ ایسا رنگ لاتا ہے
کہ سیرابی سے اس کی باغ عالم لہلہاتا ہے
یہی خون سینچتا ہے نخل برباد تمنا کو
اسی سے زندگی ملتی ہے قالب بے جاں کو
غذا پاکر اسی سے کشت قومی پھول لاتی ہے
یہی وہ موت ہے جس سے یہ دنیا جان جاتی ہے

اسی خوں کے نشاں ملتے ہیں قوموں کی ترقی میں
جھلک اس کی نمایاں ہے ہر اک جاندار ہستی میں

تعجب کیا ہے گر خونِ شہیداں کچھ دکھا جائے
تنِ بیجان میں شاید پھر ہمارے جان آجائے

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بانگ جرس

مولانا آزاد سبحانی

مریضِ حسرت جو جی رہا ہے فریبِ ایمائے ناز کھا کر
وہ آج رخصت ہے دوستوں سے جواب عرضِ نیاز پا کر

عبث ہے ذکر خمار مے کا یہ جو گرا تھا مے ہی کیوں پی
تجھے نہ آنا تھا ہوش غافل یہ ساغرِ آتشیں چڑھا کر

دعائے عیسیٰ کی فکر کیا ہے مریضِ غم بھی تو چاہے جینا
جو زندگی خضر جی رہے ہیں وہ موت ہے موت کی دوا کر

اٹھو اٹھو سو رہے ہو ناحق پیامِ بانگِ جرس تو سن لو
بڑھو کہ کوئی بلا رہا ہے نشانِ منزل دکھا دکھا کر

خبر کسی کو نہیں کسی کی بر آئے کیونکر مراد جی کی
میں دور اس کی تلاش میں ہوں وہ محوِ حیرت ہے پاس آ کر

وہ ترکِ رعنا بگڑ گیا ہے کہو رقیبوں سے خیر مانگیں
قضا کی تلوار کھنچ چکی ہے قسم شہیدانِ غم کی کھا کر

یہ کشمکش بھی عجب ستم ہے ادھر خدا ہے ادھر صنم ہے
ادھر ہے اک بے نقاب جلوہ ادھر تجلی ہے منہ چھپا کر

یہ تیغ پھر آج کیوں کھنچی ہے یہ غیرتِ مدنظر ہے کس کا
وہ کون عالم میں رہ گیا ہے جو آج ہوگا شہید آ کر

نزاعِ دیرینہ مٹ چکی ہے امید و نومیدی فدا کی
اسیر آزاد ہو چکا ہے قلادۂ زندگی ہٹا کر

شمشیر بکف پایا خنجر بہ کمر دیکھا

حضرت اکبر الہ آبادی

گردوں کے ستم دیکھے اجڑا ہوا گھر دیکھا
دیکھا تو نہ جاتا تھا ناچار مگر دیکھا

اب آنکھ اٹھاتا ہے ایمان کی بربادی
اس بت کی نظر دیکھی اور اس کا اثر دیکھا

تقدیر مخالف کی تدبیر ہوئی قاصر
ممکن تھا جو کچھ ہم سے سب سامنے وہ کر دیکھا

تکبیر ہی اچھی تھی تقریر میں تھے جھگڑے
ترک اس کو کیا ہم نے جس شور میں شر دیکھا

اس عہد میں اے اکبر میں اس کو ولی سمجھا
تھوڑا سا بھی کچھ جس میں اللہ کا ڈر دیکھا

دنیا کی یہ زینت ہے عقبیٰ کے ہیں وہ وعدے
غافل نے ادھر دیکھا غافل نے ادھر دیکھا

جیتے میں انہیں کی تھی عزت کہ جنہیں ہم نے
شمشیر بکف پایا خنجر بہ کمر دیکھا

دریا میں ہاں ڈوبا موتی میں تب آب آئی
بینا ہوئی آنکھ اس کی جب اشک سے تر دیکھا

بے چین ہے دل داغِ حسرت کے ابھرنے سے
امید کی شاخوں کا آخر یہ ثمر دیکھا

تو وضع اپنی یہ قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر

گو تیرا عمل محدود رہے اور اپنی ہی حد مقصود رہے
رکھ ذہن کو ساتھی فطرت کا بند آپ درِ تاثیر نہ کر

باطن میں ابھر کر ضبط فغاں لے اپنی نظر سے کار زباں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

دعوتِ درد

جناب نیاز فتحپوری

اٹھ دلِ راحت طلب پیدا ہے شوریدہ کر
آپ بھی غمدیدہ ہو اوروں کو بھی غمدیدہ کر

پھونک دے محفل کو اپنے شعلۂ آواز سے
گرمیِ ہنگامہ سے ہر قلب کو تفتیدہ کر

سرمہ آسا اہلِ بینش کی نگاہوں میں سما
ذرۂ ہستی کو اپنی اور بھی سائیدہ کر

شور پیدا کر جہاں میں نالۂ بےتاب سے
زخم ہائے سینہ کو اپنے نمک پاشیدہ کر

گر کے عریاں شمعِ ہستی کو دکھا اس کا فروغ
یعنی نذرِ شعلۂ غم جامۂ بوسیدہ کر

ہاں زمانہ دیکھ لے رفعت تری شکلِ ہلال
اور بھی اپنے تنِ کاہیدہ کو کاہیدہ کر

کارواں کی چشمِ خوابیدہ کا ہو جا درد تو
جب وہ سرگرمِ تگاپو ہو تو بن جا درد تو

ساقیا پھر جلوہ پیرا ہو اسی انداز سے
زندہ کر دے اہلِ محفل کو اسی اعجاز سے

طائرِ سدرہ ہماری خستگی پر کر نظر
زورِ بازو گھٹ گیا پر رہ گیا پرواز سے

جھانک لے پھر پردۂ بے رومیانی سے ذرا
پھر سکھا طرزِ فغاں چشمِ نواپرداز سے

وہ حدی خوانوں کے نغمے وہ سرودِ بازآہ
ہو گئے نا آشنا اپنے پرائے ساز سے

ہمنوا ہوں غیر کا میں بھی بھلا ممکن کہاں
جب کراہا تک نہیں جاتا یہاں آواز سے

محو کر دل سے خطا دلدادگانِ حسن کی
روٹھتا ہی یوں بھی کوئی عاشقِ جانباز سے

سر اگر ہم کو دیا ہے سرفروشی بھی سکھا
مے عنایت کی تو پھر وارفتہ ہوشی بھی سکھا

مسلم خوابیدہ

دولتِ دنیا نہ لے ہاں دولتِ اسلام لے
فیضِ اشراقِ لدنی ہے تری تخمیر میں
یا علم بردارِ علم و فضل بن کر نام کر
ہے اثر دوانی و رازی کا تیرے خون میں

اپنے علم و فضل کی گرتی عمارت تھام لے
اپنی فطرت سے کچھ اوہمتی سے غافل کام لے
یا نہ پھر غرناطہ و اشبیلیہ کا نام لے
اس سے اٹھ کر کام لے اور داد فیض عام لے

ہے فضائے دہر ذکر و شغل سے پر صبحدم
مسلم خوابیدہ اٹھ تو بھی خدا کا نام لے

مقصدِ حیاتِ مسلم[1]

جناب مولٰنا اسلم جیراجپوری

دہر میں مسلم ہے حق کی آزمائش کے لئے
کھول اس عبرتکدہ میں دیدۂ تحقیق کو

تمغۂ ایماں نہیں ملتا نمائش کے لئے
دیکھ زندانِ بلا میں یوسفِ صدیق کو

[1] یہ مشہور نظم مولٰنا اسلم صاحب جیراجپوری نے مولٰنا شوکت علی و محمد علی صاحبان کے نظر بندی سے رہا ہونے کے بعد علیگڈھ آنے پر پڑھی تھی۔

گریۂ صبر آزمائے حضرتِ یعقوب دیکھ
سرورِ دیں سیّدِ کونین محبوبِ خدا
سرزمینِ کربلا کی سمت بھی کر لے نگاہ
آزمائش ہے نشانِ بندگانِ محترم

روح فرسا ابتلائے یونس و ایوب دیکھ
دشمنوں کے جورِ پیہم سے ہوئے گھر سے جُدا
خاک و خوں میں دیکھ لے نعشِ حسین و بن بنا
جانچ ہوتی ہے اسی کی جس پہ ہوتا ہے کرم

اس کسوٹی پر کھرے کھوٹے کی ہوتی ہے تمیز
جھیل کر زنداں کی سختی ہوتے ہیں یوسف عزیز

کشتیٔ حق اب ہے طوفانِ حوادث میں پڑی
اب نہیں کوئی یہ شوکت[1] اور محمد[2] کا سوال
آبروئے ملّتِ بیضا کے ہے مٹنے کا ڈر
حاملِ بارِ امانت ملّتِ اسلام ہے
شاہدِ اقوامِ عالم ہے یہی خیر الامم
زندگی مسلم کی ہے حق کی حمایت کے لئے
سختیوں پر سختیاں غیروں کی وہ سہتا رہے
حق پرستوں کے لئے راحت یہی آزار ہے
ناامیدی رحمتِ حق سے ہے ایماں کا قصور

امتحان کا وقت ہے، اور آزمائش کی گھڑی
آرہا ہے شوکتِ دینِ محمد پر زوال
اس کی ہستی ہو رہی ہے موردِ خوف و خطر
اُس سے قائم آج دنیا میں خُدا کا نام ہے
فرض ہے اس کا کہ یہ حق پر رہے ثابت قدم
شمع ہے وہ سارے عالم کی ہدایت کے لئے
امرِ حق جو کچھ ہے اس کو برملا کہتا رہے
آتشِ نمرود ابراہیم پر گلزار ہے
ٹل نہیں سکتا ہے ہرگز وعدۂ اتمامِ نور

نورِ حق شمعِ الٰہی ہے بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہے خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

[1] مولانا شوکت علی

[2] مولانا محمد علی

خیر مقدم طبّی وفد ڈاکٹر انصاری صاحب

یہ مشہور نظم علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے ڈاکٹر انصاری صاحب کے طبّی وفد کے جنگ بلقان سے واپسی پر لکھی تھی ایک ایک مصرع سے درد و گداز ٹپک رہا ہے

ادا کرتے ہیں ہم شکر جناب حضرت باری — کہ آئے خیریت سے ممبران وفد انصاری

ہزاروں کوس جا کر بھائیوں کی تم نے خدمت کی — یہی تھا درس اسلامی یہی تھی رسم غمخواری

فراق ملک و ترک خانماں و دوری منزل — خدا کے فضل سے تم نے یہ کڑیاں جھیل لیں ساری

تمہارے روکنے کے واسطے ہنگامہ آرا تھے — صدائے نالہ ہائے درد جوش گریہ و زاری

نگاہ حسرت آلود عزیزاں کی سناں بازی — فغان سینہ ریشان محبت کی شرر باری

مگر اک جذبۂ اسلام نے سب کو شکستیں دیں — کہ سب کو چھوڑ کر پہنچے وہاں باایں گرانباری

جو سچ پوچھو تو تم انصار بھی ہو اور مہاجر بھی — کہ سب اہل وطن کو چھوڑ کر پہنچے پے یاری

کسی کو خواب میں بھی یہ سعادت مل نہیں سکتی — مریضوں کے لئے وہ آپ کی شبہائے بیداری

جو سچ پوچھو تو زیبا ہے تمہیں دعوائے آفاقی — کہ تم نے کی ہے ترکان مجاہد کی پرستاری

تمہارا ناز اٹھائیں اہل ملت جس قدر کم ہے — کہ تم نے کی ہے ترکان مجاہد کی پرستاری

تمہیں کچھ جاں نوازی ہائے اسلامی کو سمجھو گے — کہ تم دیکھ آئے ہو نصرانیوں کی طرز خونخواری

نہیں ہے سوز اسلامی کا گو نام و نشاں باقی
تمہارے دل میں ہیں کچھ درد کی چنگاریاں باقی

مسلمانوں کے تم نے طالع واژوں بھی دیکھے ہیں
ہے سب انقلاب گردش گردوں بھی دیکھے ہیں

تمہارا درد دل سمجھیں گے کیا ہندوستاں والے
کہ تم نے وہ مظالم ہائے گوناگوں بھی دیکھے ہیں

یتیموں کے سنے ہیں نالہ ہائے جانگزا تم نے
زبان بے نوا کے چہرۂ محزوں بھی دیکھے ہیں

گھروں کو لوٹنے کے بعد زندوں کو جلا دینا
بلاد مغربی کے یہ نئے قانوں بھی دیکھے ہیں

مسلمانوں کے قتل عام اور ترکوں کی بربادی
نتائج ہائے امید گلیڈسٹوں بھی دیکھے ہیں

تمہیں نے غازیوں کے جسم پر ٹانکے لگائے ہیں
شہیدان وطن کے جامۂ پرخوں بھی دیکھے ہیں

تمہاری چشم عبرت گیر خود ہم سے یہ کہتی ہے
کہ ہم نے وہ مصائب ہائے گوناگوں بھی دیکھے ہیں

لہو کی چادریں دیکھی ہیں رخسار شہیداں پر
زمیں پر پارہ ہائے سینۂ پرخوں بھی دیکھے ہیں

نگار آرائیاں دیکھی ہیں چشم گوہر افشاں کی
شہیدان وفا کے عارض گلگوں بھی دیکھے ہیں

تمہیں سے کچھ پتہ ملتا ہے شیدائیان ملت کا
کہ تم نے شاہد اسلام کے مفتوں بھی دیکھے ہیں

جنون جوش اسلامی کوئی سمجھا تو تم سمجھے
کہ تم نے لیلی اسلام کے مجنوں بھی دیکھے ہیں

سہارا ہے اگر امید کا بھی اب کوئی باقی
تو تم نے وہ رموز قوت مکنوں بھی دیکھے ہیں

عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں گوں بھی دیکھے ہیں

دعائے کہنہ سالاں ہے اگر مقبول یزدانی
ثواب دست دعا ہے اور یہ شبلی نعمانی

نوجوان مسلم کا خطاب لیڈروں سے

لیڈرو گر ہوں میں قانون شکن رہنے دو
ہے اگر میرے لئے دار و رسن رہنے دو

تم وفاداری کے چشمے سے ہو سیراب تو خیر
میں ہوں اس آب سے گر تشنہ دہن رہنے دو

تم ہو گر عیش مجسم تو مبارک تم کو
میری قسمت میں ہے گر رنج و محن رہنے دو

دوستی مجھ کو تمہاری نہیں درکار ذرا
میرا دشمن ہے اگر چرخ کہن رہنے دو

خندۂ عیش لبوں پر ہے تمہارے تو سہی
میری پیشانی پہ غصہ سے شکن رہنے دو

بدنصیبی کے اندھیرے سے رہو دور تم آپ
میں نہ دیکھوں جو سعادت کی کرن رہنے دو

کون کہتا ہے کہ اس راہ میں تم خون بہاؤ
ہے سیاست کی اگر راہ کٹھن رہنے دو

تم نہیں الفتِ اسلام میں جاں باز تو خیر
میں نے باندھا ہے اگر سر سے کفن رہنے دو

تم اگر محنتِ زنداں سے بچے ہو تو بچو
میں اگر کر نہ سکوں سیر چمن رہنے دو

خیر تم اپنی مناتے ہو ہمیشہ تو مناؤ
گر مرے دل میں ہے ملت کی چبھن رہنے دو

جلب زر کی تمہیں معلوم ہے تدبیر تو خیر
میں نہیں جانتا گر ایسا جتن رہنے دو

تم ہو عزت کے طلبگار تو ڈھونڈھو اس کو
میری ذلت ہے جو مشہور زمن رہنے دو

ہے جو منصوبہ تمہارا وہ مبارک تم کو
مجھ کو محبوب ہے اپنی ہی مشن رہنے دو

حقیقتِ منتظر

علامہ اقبال

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں مذاق ہے نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

کوئی آج مسافرِ خستہ جاں کو یہ جا کے میرا پیام دے
کہ وطن ہے دشمنِ آبرو تو اماں ہے ملکِ حجاز میں

تجھے کیا سنائیں اے ہمنشیں ہمیں موت میں جو مزا ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو وہ نشاطِ عمرِ دراز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

عندلیبِ حجاز کی نذر

سبز گنبد والے شہنشاہ کے حضور میں

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا

قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا

ہوا رفیقِ اجل اشتیاقِ آزادی
سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمی نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوش جام ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرت سجودِ نیاز
اڑا جو پستیٔ دنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لیکے تو آیا

کہا یہ میں نے کہ سچی خوشی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ریاضِ دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

شہر آشوب اسلام

علامہ شبلی نعمانی

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھیگا دھواں کب تک
قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیئے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑینگی دھجیاں کب تک
مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کب تک

یہ سیلاب بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے — اسے روکیگا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کبتک
یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھنے والے — یہ سیر ان کو دکھائیگا شہیدِ نیم جاں کبتک

یہ ہیں وہ نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ ان کو سنائیگا یتیم ناتواں کب تک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیبِ انسانی کے استادو — یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کبتک
یہ جوش انگیزی طوفانِ بیداد و بلا تا کے — یہ لطف اندوزی ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک
یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے — ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کبتک
نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی — تو ہم تم کو دکھائیں زخمہائے خونچکاں کبتک
یہ مانا گرمیٔ محفل کے ساماں چاہئیں تم کو — دکھائیں ہم تمہیں ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک
یہ مانا قصۂ غم سے تمہارا جی بہلتا ہے — سنائیں تم کو اپنے دردِ دل کی داستاں کبتک
یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا — ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کبتک
عروسِ بخت کی خاطر تمہیں درکار ہے افشاں — ہمارے ذرہ ہائے خاک ہونگے زرفشاں کبتک
کہاں تک لوگے ہم سے انتقامِ فتحِ ایوبی — دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کبتک

سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کبتک

زوالِ دولتِ عثماں زوالِ شرع و ملت ہے — عزیزو فکرِ فرزند و عیال و خانماں کب تک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ طیاریاں کیا ہیں

نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

پرستارانِ خاکِ کعبہ دنیا سے اگر اُٹھے
تو پھر یہ احترامِ سجدہ گاہِ قدسیاں کب تک

جو گونج اٹھیگا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید گلبانگِ اذاں کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اڑ کر یہ دامانِ حرم کو بھی نہ چھو آئے
غبارِ کفر کی یہ بے مہابا شوخیاں کب تک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کے آشیاں کب تک

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہیں اب کیا کہ دامنگیری ہندوستاں کب تک

دعوتِ عمل

جناب میر نیرنگ ۔ انبالہ

تجھے اے بلبلِ رنگیں نوا سوجھی ہے گانے کی
مگر مجھ کو پڑی ہے فکر تیرے آشیانے کی

یہ تیرے آڑے ترچھے چار تنکے شاخِ گلبن پر
کبھی سے بجلیاں ہیں فکر میں انکے جلانے کی

یہ گلچیں باغباں صیاد یہ تیرے کرم فرما
لئے بیٹھے ہیں دل میں حسرتیں تیرے مٹانے کی

سنبھالے اپنے اپنے پر ترے سب ہمصفیروں نے
ہر اک نے فکر کی ہے اپنے اپنے آشیانے کی

مگر اک تو ہی غافل ہے مآلِ کارِ گلشن سے
ترے حصہ میں آئیں غفلتیں سارے زمانے کی

پرانے برگ و گل سب چھانٹے جائینگے خیاباں سے
لگی ہے باغباں کو دھن نیا گلشن بنانے کی

نئے پودے نئے بوٹے نئے گلبن نئے تختے
نئی شرطیں بنینگی اب چمن میں آنے جانے کی

قفس بھی دام بھی مقراض بھی بالکل نئے ہونگے
نئی ترکیب ہوگی تجھکو پھندے میں پھنسانے کی

یہ حالت ہے تو تجھ سے باغ اب چھوٹا کا چھوٹا ہے
بنینگی ساز عبرت حسرتیں تیرے فسانے کی

اگر گلشن میں رہنا ہے بدل لے تو بھی ڈھنگ اپنا
سماعت اب نہیں ہوگی کسی حیلے بہانے کی

نہ بایستے ترا در باغ ساز آشیاں کردن
چو کردی زندگی باید بحکم باغباں کردن

سمجھ لے ہمنفس جو کچھ کہا میں نے اشاروں میں
سنائی ہے تجھے تیری کہانی استعاروں میں

نئی حالت ہے دنیا کی نرالا رنگ ہستی ہے
نئے گل کھل رہے ہیں گلشنوں میں لالہ زاروں میں

جہاں کل خار و خس تھے وہ جگہ اب صحن بستاں ہے
مبدل ہو گیا ہے صحن بستاں خارزاروں میں

مگر تیری وہی عادت وہی حالت وہی دھن ہے
نہ وہ محفل نہ وہ ساقی مگر تو ہے خماروں میں

ہر اک کشت عمل شاداب ہے فیض تمدن سے
چمن تیرا ہی کملایا ہوا ہے ان بہاروں میں

نہ سمجھے اب بھی جو کوئی وہ سمجھے اپنی خوش فہمی
زمانہ کہہ چکا سب کچھ اشاروں میں کنایوں میں

نئے حالات کو دیکھ اور سنبھل گر زندہ رہنا ہے
نہیں تو خود کو زندہ گاڑنا ہوگا مزاروں میں

غضب ہے آج تیری غفلتیں رسوائے عالم ہوں
سمجھتے تھے تجھے ہم چشم کل تک ہوشیاروں میں

خدا ہی حافظ و ناصر ہے تیری قوم بیکس کا
شمار اسکا ہے مدت سے حوادث کے شکاروں میں

غم دیروز وحشت کردہ حیران تمنا ہا
گزشتہ ہم رہانت منزل سامان فردا ہا

تلافیٔ مافات

فخرِ قوم مولٰنا ظفر علی خاں

خوب جی بھر کے سر اڈیورڈ گرے دیکھ چکے
ہم غریبوں کے سیہ خانہ کا ویراں ہونا

اپنے شیرازۂ ہستی کا بکھرا جانا
اپنی جمعیتِ قومی کا پریشاں ہونا

برقِ تثلیث کا توحید کے گھر پر گرنا
ظلمتِ کفر میں ایمان کا پنہاں ہونا

ترک کے طرۂ طرار کا جھک جانا
چاکِ دامانِ عرب کا یہ گریباں ہونا

خاک کا درنہ و طبروق کے گھر پہ اڑنا
خون میں مشہد و تبریز کا غلطاں ہونا

مصر کے سینۂ صد چاک کے پرزے اڑنا
ہند کے دیدۂ غمناک کا طوفاں ہونا

صفِ ماتم ادھر ایران کے اندر بچھنا
اور مراکش میں ادھر حشر کا ساماں ہونا

ستمِ ایجادیٔ بلقان کی لکھتے ہوئے شرح
بید کی طرح مرے خامہ کا لرزاں ہونا

یہ مسلماں ہیں اس جرم میں کردو انہیں قاتل
دشتِ بلقان میں یورپ کا یہ فرماں ہونا

خانماں سوختہ مسلم کی تمناؤں کا
دشتِ غربت میں سراسیمہ و حیراں ہونا

خانقاہوں سے مشائخ کا گھسیٹا جانا
اور مساجد میں صلیبوں کا نمایاں ہونا

کبھی جن پردہ نشینوں کی نہ اٹھتی تھی نقاب
ان کے ناموس کا بازار میں عریاں ہونا

یوں تہ کر کے ہیں آپ کو اب ہے منظور
جنگ کو روکنا اور صلح کا خواہاں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

پیام

علامہ اقبال

مجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کی چاک تو پہلے رفو کر لے

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہان رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کر لے

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

تنک بخشی کو استغنا سے پیغام خجالت دے
نہ رہ منت کش ساقی نگوں جام و سبو کر لے

نہیں یہ شان خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیب گلو کر لے

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
مذاق جور گلچیں ہے تو پیدا رنگ و بو کر لے

ایمان

حضرت اکبر الہ آبادی

دل شکستہ میں ایمان رہ سکے تو رہے
اجاڑ گھر میں یہ مہمان رہ سکے تو رہے

ہماری بزم سے رخصت ہے سولت وطاقت
بغیر ان کے جو ایمان رہ سکے تو رہے

دلِ ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب
مگر زبان مسلمان رہ سکے تو رہے

جذبات جوہر

رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جوہر پرنسپل آزاد قومی یونیورسٹی علی گڈھ کے زمانے نظربندی کے افکار وواردات

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطف جرم تمنا سزا کے بعد

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہر یہ روکشی
ڈھونڈھیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کا مزا دیکھ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ خدا دیکھ

وحشت و غربت میں اکیلا تو نہیں تو — بطحا کے مہاجر کا تو نقش کف پا دیکھ
تو ظلمت ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور — بجھلا گی یہ اپنی نہ جا شان خدا دیکھ
یہ نور خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا — کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بجھا دیکھ
ہوں لاکھ نظر بند و عا بند نہیں ہے — اللہ کے بندوں کو نہ اس درجہ ستا دیکھ
ہو حسن طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا — ہو صدق طلب پھر اثر آہ رسا دیکھ
عقبیٰ تو کہاں داں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک — اس کافر بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ ہوشیار ہو غافل
رنگ فلک پیر زمانے کی ہوا دیکھ

شور ماتم کے لئے تیار رکھ گوش مراد — ہے شرار حسن یہ ہنگامہ مبارکباد کا
عزم عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل — نام بھی لینا نہ ہرگز کوشش برباد کا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہو نکلے اور بھی ظلم و ستم — کچھ بھی باقی ہو جز نام حوصلہ بیداد کا
کر دیا بید قفس سے ہم کو آزاد چمن — پاس کافی ہو چکا اب خاطر صیاد کا
دعوت ہمرگاں کی جنہیں نہ باقی ہو سکت — ایسے دیوانے کے گھر کیا کام ہی فصاد کا
گیارھویں کو فاتحہ دلوا دیا کرتے ہیں ہم — ہے اثر اتنا ہی پیر و خفتۂ بغداد کا
آجتک ہی ایک کنعانی سے شہرت مصر کی — فیض سے حسرت کے ہوگا ملک فیض آباد کا

ہو گئے جوہر یہ کیسے بندۂ دام فریب
شور سنتے تھے بہت ہم حسرت آزاد کا

یہ جور نرالا یہ جفا اور ہی کچھ ہے
یہ ظلم نہیں ظلم خدا اور ہی کچھ ہے

ہم عیشِ دو روزہ کے بھی منکر نہیں لیکن
ایمانِ شہہ کرب و بلا اور ہی کچھ ہے

تاخیر میں کچھ ہرج نہیں یہ تو بتا دو
ہے مدِ نظر وصل ہی یا اور ہی کچھ ہے

اغیار کو ہو لذتِ آغاز مبارک
انجام محبت میں مزا اور ہی کچھ ہے

نے سائلِ دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار
اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی
پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

گر بوئے گل نہیں نہ سہی یادِ گل تو ہے
صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

گو ہم بھی ہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا
روحِ شہید رہتی ہے نعش و کفن سے دور

ہے بعد کربلا سے بھی قربِ یزید بھی
اور چاہتے ہیں یہ کہ نہ ہوں پنجتن سے دور

یوں بچ سکو مواخذۂ حشر سے تو ہاں
مارا دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

ہم سا اجل سے دور نہیں روزِ کربلا
رہتا نہیں برات میں دولہا دلہن سے دور

منقارِ عندلیب کو صیاد سی چکا
مانا کہ گوشِ گل ہے لبِ نالہ زن سے دور

ہم کم جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب
یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی
اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

خونابۂ غم

جناب محوی لکھنوی

ہماری بے زبانی ہمت افزائے ستم ٹھہری
کہ چپ رہنے پہ بھی ملتا ہے اب الزام غداری

شہیدوں کا تڑپنا لوٹنا دیکھا نہیں جاتا
مگر ممنوع ہے اس دور میں اظہارِ غمخواری

کیا جاتا ہے شک ہم پر ہمارے گریہ و غم کا
کریں کس طرح اپنے بھائیوں کی ہم عزاداری

حکومت ہم پہ ہو سکتی ہے دل پر ہو نہیں سکتی
کوئی روکے تو کیونکر چشم دل کی گریہ و زاری

مٹے اپنی ہستی کو کہاں تک کوئی گھٹ گھٹ کر
نہیں ہے صبر کی اب تاب اے آئین خودداری

کہاں تک کوئی خاموشی سے دنیا کے ستم جھیلے
کہاں تک کوئی دیکھے جائے اپنی ذلت و خواری

یہ جینا بھی کوئی جینا ہے ای جویائے آسائش
بس اب خواب گراں سے چونک ہے یہ وقت بیداری

تری بربادیاں دیکھی نہیں جاتی ہیں اب ہم سے
خدا کے واسطے اٹھ اور ہو آزاد اس غم سے

شیوۂ احرار

علامہ آزاد سبحانی کانپوری

ہدف جور و جفا جان سے بے زار نہ ہو
دیکھ بدنام کہیں شیوۂ احرار نہ ہو

امتحان ہے سبب شہرتِ اربابِ کمال
شورِ منصور نہیں گر رسن و دار نہ ہو

طالبِ خانہ نشیں برقِ صفت گھر سے نکل | منتظر در پہ کہیں جلوۂ دیدار نہ ہو
بتکدہ ہے دل اگر اس میں خودی کا بت ہے | عرش و کعبہ ہے یہی گر بتِ پندار نہ ہو
جور میں آنے لگے لطف و عنایت کے مزے | ستمِ یار میں مخفی کرمِ یار نہ ہو
جلوہ افروز ہر اک جلوہ میں ہے جلوۂ یار | کیا تماشا ہے اگر اس پہ بھی دیدار نہ ہو
حلق میں لائی ہے آزاد اسیری کی کشش | بھاگ اس دام سے ناداں گرفتار نہ ہو

مسلم سے خطاب

غلام محمد صاحب طور ایم۔ اے مرحوم

تجھے اے مسلم غمدیدہ ہے یہ نیند کیوں پیاری | مگر خوابِ اجل کی ہے تجھے منظور تیاری
ہزاروں قافلے یاں لٹ گئے خوابیدہ قوموں کے | نہ سیکھا تو نے لیکن بے خبر آئینِ ہشیاری
مٹائے روگ تیرے سب طبیبِ خاک سمجھانے | کہاں سے آب لگا لی تو نے دل کو تازہ بیماری
سنا تو نے کہ ویراں مقبروں میں تجھ کو روتے ہیں | ترے عالم ترے واعظ ترے ملت ترے قاری
کبھی بزمِ طرب کی دھوم تھی تیرے شبستاں میں | نصیبِ دشمناں ہے اب ترے گھر میں عزاداری
کبھی گوشِ جہاں میں شور تھا تیرے تمدن کا | غضب ہے ہو گئی اب بات سے بھی تجھ کو لاچاری
ضعیفانِ جہاں کو ایک دن تو نے سنبھالا تھا | سنبھلنا ہو گیا ہے تجھ کو دشوار آج اللہ رے دشواری
خراباتِ جہاں میں رفتہ رفتہ ہو گیا آخر | مٹا ہے وہ اعتبار اور اللہ خودداری
تجھے معلوم ہے اوجِ شرافت کا ہما تو تھا | ہے تجھ کو نازِ پرواز بال و پر کی ناداری

یہ سب کچھ ہے، مگر زیبا نہیں تجکو بہر آسانی
کہ تیری سعی کی پھر منتظر ہے رحمتِ باری

اگرچہ غرق ہے تو بزمِ گلِ تہذیبِ مغرب پر
مگر لازم ہے تجھ کو باغِ مذہب کی ہواداری

تری تسکینِ خاطر کو ہے کافی شاہدِ بطحا
بتانِ مغربی سے تیری نبھ سکتی نہیں یاری

جگہ دے گوشِ دل میں تیرے قرباں میرے نالوں کو
کہ تہذیبِ وفاداری ہے دلدادوں کی دلداری

بیا تا گل برافشانیم مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم

انجامِ وفا

علامہ آزاد سبحانی۔ کانپوری

نتیجہ بن گیا جوشِ وفا کا
پیام آیا ہے پیغامِ جفا کا

سنیں اہلِ وفا میری کہانی
نیا قصہ ہے انجامِ وفا کا

وہ پیکانِ نگاہ سے کھیلتے ہیں
ادا سے کام جاری ہے قضا کا

مٹا دے یاس تو اس کشمکش کو
یہ کب تک معرکہ بیم و رجا کا

مری رودادِ الفت پوچھیے کیوں
نتیجہ کیا بیانِ ماجرا کا

خدارا چھوڑ دو انجامِ کشتی
قدم کیوں درمیاں ہو ناخدا کا

تملک ہے رشتۂ الفت بندھا ہے
نشانہ میں رہا ہوں ہر بلا کا

مزاجِ لاابالی اور جوانی
خدا حافظ ہے ناموسِ حیا کا

حدیثِ ضبط پروانہ ہے بے وقت
جنابِ عشق ہے سرکارِ وحدت
خدا کے بعد تم کو چاہتا ہوں
نکل آؤ ذرا پردے سے باہر

زمانہ ہے خفا ان پر بلا کا
مٹا دو فرق تخت و بوریا کا
یہ نقشہ ہے مری فرودلا کا
عقیدہ مٹ رہا ہے اب خدا کا

ترا آزاد پھر پابند غم ہے
وہ پھر محتاج ہے لطف و عطا کا

انقلاب زمانہ

حضرت اکبر الہ آبادی

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا

ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحاں ہو گئے چپ آہو نے اچھلنا چھوڑ دیا

کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا

بدلی وہ ہوا گزرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پر چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہ جواں جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

گرفتارِ قفسِ امیدِ رحمِ باغباں کب تک

ازخامہ
مولانا نجم الدین انجم گیاوی

یہ فریاد و فغاں اے بلبلِ بے خانماں کب تک
سمجھ اور بے خبر ہوگی نہ فکرِ آشیاں کب تک

جو اس گلشن میں رہنا ہے تو استحقاق حاصل کر
گرفتارِ قفسِ امیدِ رحمِ باغباں کب تک

نئے سر سے کر اب آراستہ خود صحنِ گلشن کو
رہے گا اپنے ویرانے چمن کا نوحہ خواں کب تک

نگہبانی کر ان کی جو نئے پودے ہیں گلشن میں
گر اب ان نونہالان چمن کی آبیاری خود
پھر اپنی قوت نشو و نما سے خود یہ ابھریں گے

رہینگی سایہ افگن اب یہ سوکھی ڈالیاں کبتک
تری غفلت رکھیگی ان کو پامال خزاں کبتک
رکھیگا ان کو تو محتاج دست باغباں کبتک

کہن آغاز عمل ایں قصۂ عہد کہن تا کے
پئے دلبستگی ایں شغل بزم و انجمن تا کے

علاج قوم کرنا ہے تو کچھ درد آشنا ہو جا
اگر آزاد ہو کر تجھ کو اس گلشن میں رہنا ہے
مخالف ہے ہوا دشمن ہیں موجیں در طوفاں ہے
نہ ہو پامال ہنر کی طرح پستی میں تو رہ کر

سراپا درد ہو کر درد کی اپنے دوا ہو جا
تو مثل سرو اپنے پانوں پر خود ہی کھڑا ہو جا
خدارا کشتی قومی کا اپنی ناخدا ہو جا
بلند ہمت بنا اپنے کو عالی حوصلہ ہو جا

بچشم ہمصفیران چمن اعزاز پیدا کن
رہائی گر ہوس داری پر پرواز پیدا کن

وہ انداز فغاں اے بلبل دلگیر پیدا کر
بہار گلشن اغیار پر کیوں جان دیتا ہے
الجھ جائے لکچر و اسپیچ سے سرگرم عمل ہو جا
کریگا قوم میں کیا جوش پیدا نالہ و شیون

تڑپ اٹھے دل صیاد وہ تاثیر پیدا کر
خود اپنے ہی درخت میں شادابی کشمیر پیدا کر
زبان حال بن خاموشی تصویر پیدا کر
عوض نعرہ کے شوق نعرۂ تکبیر پیدا کر

زباں کی صرف تیزی سے نہیں کچھ کام چلنے کا
کوئی جوہر بھی دل میں صورت شمشیر پیدا کر

تجھے کیا گل اگر پھولے مجھے کیا گر بہار آئی

جناب بشیر حسین قدوائی از انگلستان

شگفتہ دیکھتے ہی گل کو یہ بلبل پکار آئی
بشیر عشق پرور اٹھ چمن میں پھر بہار آئی

ہرے ہیں وہ جو غم جنجال سے اکبار چھوٹے ہیں
مجھے تو موت بھی اس زندگی میں بار بار آئی

اجاڑا آشیاں میرا اکھاڑے بال و پر میرے
اور اب آکر یہ کہتے ہیں بہار آئی بہار آئی

دعا میں بھی اثر ہونے لگا ہے اب اثر الٹا
گرائی سر پہ آہ نارسا برق شرار آئی

ہیں خار اور ثمر اور دل کو اس گلشن سے یا قسمت
جو ہم آئے خزاں آئی جو غیر آئے بہار آئی

زمانہ کی کہ گردش میں نہیں فرصت ہے غفلت کی
مری آواز ہر گوشہ میں یہ جا کر پکار آئی

قفس میں تو ہے بلبل ہم ہیں گل سے دور افتادہ
تجھے کیا گل اگر پھولے مجھے کیا گر بہار آئی

بقا در فنا

سید محمد حسین صاحب جنون لکھنوی

1 ملیں گے یا بچھڑ جائیں چمن والوں سے گر ہوگا مقدر میں
بہار اب کی گزاریں گے نہ ہم صیاد کے گھر میں

فنا کر دیں گے ہم اک نعرۂ اللہ اکبر میں
ہمارے ہوتے رہ سکتے ہیں بت اللہ کے گھر میں

2 مری ہستی وہ ہستی ہے محافظ ہے خدا جس کا
بتو آخر تو ہیں ہم کلمہ گویان پیمبر میں

جلا کر ایک دن چھوڑینگے شعلہ آہِ سوزاں کے — لگا دینگے کسی دن آگ ہم صیاد کے گھر میں
کبھی رونے پہ آئے تو ڈبو دیں گے زمانے کو — چھپا ہے نوح کا طوفاں ہمارے دیدۂ تر میں
نہ ہم پر جان دیتے ہم نہ یوں برباد ہو جاتے — تماشہ دیکھتے ہیں ہم لگا کر آگ خود گھر میں
ہماری حسرت پرواز نکلے سخت مشکل ہے — نہ طاقت اپنے بازو میں نہ قوت اپنے شہپر میں

فلک کے پردے میں شکلِ بقا جب سے نظر آئی
سمایا جب سے سودائے شہادت ہے جنوں سر میں

بیداری ہند

جناب لالہ لال چند صاحب فلک

مبارک ہند کی بیدار قسمت ہوتی جاتی ہے — نمایاں ہندیوں میں اب اخوت ہوتی جاتی ہے
جگایا ہے ہمیں شاعر نے چھینٹے منہ پہ دے دے کر — دلوں سے اب ہمارے دور غفلت ہوتی جاتی ہے
شعاعیں آن پہنچیں ہند میں مہر ترقی کی — رفو چکر ہمارے گھر سے ظلمت ہوتی جاتی ہے
سمجھ بوجھ سکا ہیں سب وہ اپنی بے نوائی ہیں — کہ اہل قوم پر اپنی طبیعت ہوتی جاتی ہے
اٹھا غفلت کا پردہ اپنے دل سے بعد مدت کے — نمایاں ملک کی اب ہم میں الفت ہوتی جاتی ہے

تمنی پر ہے ان وزروں فلک پر چاند دیسی کا
پرائے دیش کی چیزوں سے نفرت ہوتی جاتی ہے

حیاتِ تازہ

جناب ابو رشید عبدالمجید خاں صاحب سالک اسسٹنٹ اڈیٹر زمیندار

عظمتِ رفتہ جو چاہے تو جگر پیدا کر
زور بازو میں دعاؤں میں اثر پیدا کر

اسی پانی سے ہری کشتِ تمنا ہوگی
ابر نیساں کی طرح دیدۂ تر پیدا کر

تا کجا طوقِ غلامی میں رہے گی گردن
جس میں سودائے حکومت ہو وہ سر پیدا کر

رہوگے بے پر و بالی پہ قفس میں کب تک
ہے اگر خواہش پرواز تو پر پیدا کر

[illegible] جو خرمنِ دشمن پہ گریں برقِ [illegible]
خاک میں اپنی وہ جا [illegible] نشتر پیدا کر

راہبِ گوشہ نشیں خضرِ رہِ عشق نہیں
رہنما کوئی نہیں ہے تو خضر پیدا کر

تیرے دل میں ہو اگر شوقِ جمالِ مطلوب
چشمِ بینا میں تجسس کی نظر پیدا کر

لیکے خورشید جہاں تاب سے مقراضِ شعاع
دامنِ شب میں گریبانِ سحر پیدا کر

رونقِ گلشنِ اسلام دوبالا کردے
اس سیہ خانۂ عالم میں اجالا کردے

چند خدا لگتی باتیں

از زمیندار

چاک کر ڈالیے ایماں کا پرانا جامہ
زیب تن کیجیے پوشاک وفاداری کی

سینہ برچھی سے چھدے حلق پہ تلوار چلے
آپ اگر چاہتے ہوں خان بہادر بننا
کوئی روئے کوئی چلائے مگر آپ کو کیا
جن سروں پہ یہ ہے کیا ہی مبارک ہیں وہ سر
قوم کو باغی و مفسد کا لقب دے دینا

کچھ ہو لیکن نہ کٹے ناک وفاداری کی
۳ رات دن بوٹ ہر انگریز کے چوما کیجے
گیت گا گا کے گورنمنٹ کے جھوما کیجے
۴ ہوس عہدہ و اعزاز کا بھوت اچھا ہے
خیر خواہی حکومت کا ثبوت اچھا ہے

مرغان قفس کو پیام

جناب سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی

ڈھونڈھو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم
میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم
اے شوق بتا کچھ تو ہی بتا اب تک یہ کرشمہ کچھ نہ کھلا
ہم میں ہے دل بیتاب نہاں یا آپ دل بیتاب ہیں ہم
مرغان قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
آ جاؤ جو تم کو آنا ہے ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

مرغِ حرم

جناب نیاز فتحپوری

پھر مجھے طوق و سلاسل کا خیال آنے لگا
پھر مجھے مرغِ حرم رہ رہ کے تڑپانے لگا

پھر نمایاں ہو چلا دامن مرے ملبوس کا
یعنی اشکوں میں مرے پھر رنگِ خوں آنے لگا

سینۂ عریاں میں جو تھیں پھر ابھر آنے لگیں
پھر گریباں تک مرا دستِ جنوں جانے لگا

چھیڑ دی ہے ناخنِ غم اور اس کی کاوشیں
پھر مجھے دردِ نہاں کچھ آج تڑپانے لگا

پھر بہار آئی چمن میں زخمِ دل آئے ہوئے
پھر مرے داغِ جنوں آتش کے پرکالے ہوئے

عقل کہتی ہے کسی کی پردہ داری چاہیئے
دل یہ کہتا ہے نمودِ بے قراری چاہیئے

کس کو سمجھاؤں کہ تجدیدِ وفا اک جرم ہے
اس میں پہلے عہد کی نا استواری چاہیئے

مصلحت فرما ہے زخمِ دل ظاہر نہ ہو
میں یہ کہتا ہی نہیں خوننابہ باری چاہیئے

بے سکوں اک طور کا خاموشی زنداں میں بھی
مجھ کو لیکن رخصتِ فریاد و زاری چاہیئے

جی مرا پھر بیٹھے بیٹھے آج گھبرانے لگا
یعنی دیواروں سے میں پھر سر کو ٹکرانے لگا

فریادِ زمانہ

حضرتِ اکبر الہ آبادی

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں

ادھر ہے قوم ضعیف و مسکیں ادھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
ادہر نشاں اس کا مٹ رہا ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اس کو سمجھے ہیں آب صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے الحاد اٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گذر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا جس میں پڑے ہیں کچھ دانہ ہائے شیریں
اسی پہ مائل ہے طبع شاہیں نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں

شمع ہدایت

فخر قوم مولٰنا ظفر علیخاں

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دوکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علےؓ
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھہ فرق نہیں ان چاروں میں

باقی ہے اک سوز نہاں ابتک نشان عاشقی

سید الاحرار مولانا حسرت موہانی

حسرت کشان درد ہیں لب تشنگان عاشقی
سیراب غم کردے کہیں پیر مغان عاشقی
مطلوب آہ و سرد ہیں محبوب رنگ زرد ہیں
معشوق اہل درد ہیں ہم عاشقان عاشقی
ہیں واقف انجام ہم کیوں دیں انہیں الزام ہم
جبتک رہیں ناکام ہم ہیں کامران عاشقی
پہلو عیاں ہیں یار کے تسکین جان زار کے
آنسو ہیں چشم یار کے روح روان عاشقی
راحت سے دل گھبرائیگا رہ رہ کے غم یاد آئے گا
کیونکر بھلایا جائیگا عیش زمان عاشقی

مقصود سوائی رہی شان نہان عاشقی باقی ہے اک سوز نہاں تبک نشان عاشقی	منظور دلداری رہا لطف نہان دلبراں وہ ہم کہاں وہ دل کہاں البتہ آشنا ہی کہاں

سب راز خفی افشا کیا حسرت یہ تونے کیا کیا
ہم کو نہ کیوں سمجھا کیا نا قدردان عاشقی

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

جناب پنڈت برج نرائن چکبست

یہ ہندوستان ہے ہمارا وطن　　محبت کی آنکھوں کا تارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اس کے درختوں کی تیاریاں　　وہ پھل پھول پودے وہ پھلواریاں
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

ہوا میں درختوں کا وہ جھومنا　　وہ پتوں کا پھولوں کا منہ چومنا
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ ساون کی کالی گھٹا کی بہار　　وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ باغوں میں کوئل وہ جنگل کے مور　　وہ گنگا کی لہریں، وہ جمنا کا زور
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اسی سے ہے اس زندگی کی بہار
وطن کی محبت ہو یا ماں کا پیار

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

رباعی

علامہ شبلی علیہ الرحمۃ نے آخری ایام زندگی میں طلبار ندوہ کو مخاطب فرما کر یہ رباعی پڑھی تھی۔ میرے نوجوان بھائیوں کو اس کو غور سے پڑھ کر سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

کہتے تھے ہمنے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے
یہ قصہ جب کا ہے باقی تھا جب عہد شباب اپنا

اور اب تو صبح یہی جو کچھ امیدیں ہیں وہ تم سے ہیں
جواں ہو تم اب بام آچکا ہے آفتاب اپنا

مسلم سے خطاب

لا معلوم

کچھ تو سوچ اے مسلم ناداں تجھے کیا ہو گیا
آج دشمن بھی تری تقدیر پر خوں رو گیے

اشک کے بدلے لہو منہ آئے تو بینائی گئی
یہ گل تر بھی نظر کی رہ میں کانٹا ہو گئے

ذرہ ذرہ کارزار زندگی پر تل گیا
آہ جن کو جاگتے رہنا تھا وہ کیوں سو گئے

دیکھ اے جود وسخا کے مدعی اپنا کرم
پھر نہ کہنا تم تہمت بیزار مجھ سے ہو گئے

نسل آدم پر ہوا ہے عرصۂ آفاق تنگ
صاحبان خشک و تر منبر کے پتلے ہو گئے

چل بلقان چل

جنگ بلقان کے موقعہ پر سید ہاشمی فرید آبادی نے اکثر بہترین نظموں میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا انہیں میں سے ایک یہ مشہور نظم ہے

تابکے رخ زرد آنکھیں خوں بچکاں دل مضمحل
دعوئ ایماں رکھتا ہے تو اے مومن نکل
تابکے سرشارِ جنوں مشتاقِ آہنگِ عمل
شمہ غیرت کا ہے گر باقی تو چل بلقان چل

جان سے لاکھوں گنی مہنگی ہے تیری آبرو
سوگواری ہائے ظاہر کی نہ کر تلقین تو
ہو فنا گر ہے بقائے جاوداں کی آرزو
شمہ غیرت کا ہے گر باقی تو چل بلقان چل

چھوڑ دے بے روح لوگوں کیلئے یہ اعتدال
مشکلیں کیسی؟ کہاں کی روک اور کیسا مآل
موت حاصل کر کہ جو اس زندگی کا ہے مآل
لطف مرنے کا اگر چاہے تو چل بلقان چل

تا کجا یکسانئ ہستی اب سن پیام انقلاب
وہ بھی کیا مرنا کہ خود فطرت تجھے دے جواب
چھوڑ بیرنگی سکوں کی ہو رہین اضطراب
لطف مرنے کا اگر چاہے تو چل بلقان چل

ٹرکی سے خطاب

فخر قوم مولنا ظفر علیخاں

تجھ سے اے ٹرکی ہمارا بر سرا اعزاز ہے
تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے

ہم اگر بے دست و پا ہیں تو ہے خضر دستگیر
ہم اگر بشکستہ پر ہیں تو پر پرواز ہے

گونجتی تھی محفل عالم کبھی جس ساز سے
تو اسی ساز بلند آہنگ کی آواز ہے

سبز گنبد والے آقا کا ہے تو جاروب کش
جس کی رحمت امتِ مرحوم کی دمساز ہے

نام ہے قائم گر اب تک دہر میں اسلام کا
سرورِ کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے

عشق طیبہ دل میں سودا سر میں استنبول کا
ہم مسلمانوں کی ہستی کا یہ اصلی راز ہے

کعبہ میں آ گئے صنم بتکدہ بن گیا حرم

آج ہوا ہے اجتماع قدس میں اہلِ راز کا
زنگ کھا ؤ نہیں تمہیں بزم کے سوز و ساز کا

جھوم رہے ہیں نشہ میں جن و ملائک و بشر
جوش ہے کائنات میں خمکدۂ مجاز کا

غلغلہ ہے مچا ہوا عرش سے بام فرش تک
مسلم دل فگار کے نالۂ جاں گداز کا

غیرت حق کی بجلیاں کوندتی ہیں ہر طرف
ترک فلک کو حکم ہے اک نئی ترکتاز کا

ہند ہو یا حجاز ہو مصر ہو یا عراق ہو
حیلہ نہ چل سکا کہیں جانِ بہانہ باز کا

ہم شہر قتیل کے واسطے سایہ ہی عین آفتاب
فلسفہ ہے یہ مغربی نور نظر نواز کا

کعبہ میں آگئے صنم بتکدہ بن گیا حرم
قبلہ ہی وہ نہیں رہا رخ ہو کدھر نماز کا

ہر بھرا پیالہ ہے لیکن اسے ہو ضرور
ہم کو یہی اشارہ ہے ان کی نگاہ ناز کا

تاب نہیں جو سن سکوں کیجئے اسکو مختصر
قصہ بہت طویل ہے کفر کے حرص و آز کا

وقتِ دعا گذر گیا عہدِ دعا ہوا قریب
واصیہ مریض کو اذن ہوا نیاز کا

ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں

علامہ شبلی نعمانی

کل مجھکو چند لاشۂ بیجاں پڑے نظر
دیکھا قریب جا کے تو زخموں سے چور ہیں

کچھ طفلِ خورد سال ہیں جو چپ ہیں خود مگر
بچپن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بے قصور ہیں

آئے تھے اس لئے کہ بنائیں خدا کا گھر
نیند آگئی ہے منتظرِ نفخ صور ہیں

کچھ نوجواں ہیں بے خبرِ نشۂ شباب
ظاہر میں گرچہ صاحبِ عقل و شعور ہیں

اُٹھتا ہوا شباب یہ کہتا ہے بے دریغ
مجرم کوئی نہیں ہے مگر ہم ضرور ہیں

سینے پہ ہم نے روک لئے برچھیوں کے وار
از بسکہ مست بادۂ ناز و غرور ہیں

ہم اپنا کاٹ کے رکھ دیتے ہیں جو سر
لذت شناس ذوقِ دل ناصبور ہیں

کچھ پیر کہنہ سال ہیں دل دادۂ فنا
جو خاک و خوں میں بھی ہمہ تن غرقِ نور ہیں

پوچھا جو میں نے کون ہو تم آئی یہ صدا
ہم کشتگانِ معرکۂ کاہ نور ہیں

آئینۂ حقیقت

فخرِ قوم مولانا ظفر علی خاں

کسی نے تو ہتیا لیا ہے مراکو، | کوئی تاکتا ہے پڑا پرشیا کو
جہاں میں حکومت ہے طاغوتوں کی | بھلایا ہے بندوں نے اپنے خدا کو
نہ اپنے نہ اسلام کے کام آئی | یہ شکوہ ہے جانِ حزیں سے قضا کو
گرے گی کوئی دم میں غیرت کی بجلی | وہ ٹھکرا رہے ہیں مری التجا کو
مسیحا سے جس کا لکھاتا ہوں نسخہ | نہیں درد پر کوئی حق اس دوا کو
مرے چارہ گر ہیں جنابِ محمدؐ | وہ سرکار کافی ہے میری شفا کو
گداز اور رقت سے خالی ہوا دل | اثر رو رہا ہے ہماری دعا کو
عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر | نہیں دیکھنا چاہیے انتہا کو
عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن | دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفےٰ کو
وہ نورِ حقیقت رسولِ خدا نے | منور کیا جس سے غارِ حرا کو
چمکتا ہوا سارے مشرق میں پھیلا | کیا روشن اس نے تمام ایشیا کو
پھر اس نے کیا مغربی کشوروں میں | جدا نقش والیل سے والضحےٰ کو

ضلالت کی شب ہارے عاشق کی ظلمت | نہیں مٹ سکتی ہے اس انجلا کو

ہے مسلم کے سینے میں یہ نور پنہاں | شرر آگ میں جس طرح چھپ رہا ہو
اگر راکھ ہٹ جائے پھر یہ شرارہ | زمانے کی منقل کو آتش نما ہو
مگر شرط منقل فروزی یہی ہے | کوئی حجتِ منتظر رونما ہو
کیا ہم سے جو وعدہ قراں میں تو نے | بہت جلد وہ وعدہ یارب وفا ہو
کر انصاف تو ہی کہ کیا یہ روا ہے | ذلیل اس طرح امتِ مصطفےٰ ہو
معلق ہو کوہِ غم اسلامیوں پر | مصیبت میں چھوٹا بڑا مبتلا ہو
برس جائے پھر تیری رحمت کا بادل | پھر اسلام کا باغ یارب ہرا ہو

ہو یہ منتظر زینت گوش مسلم
کہ نقارہ اسلام کا بج رہا ہو

بربادی مسلم کا غم شہیدان ستم کو

لامعلوم

میں جو گذرا طرفِ عالم روحانیت | نظر آئے مجھے دس بیس شہیدانِ ستم
ان کے چہروں پر گماں مہر نظر تاب کا تھا | ان کی پیشانیوں پر صبح ازل کا عالم
کفن نور یہ ہر پیکر نور افگن بود | بوئے کافور جناں بود دماغ آرائم

جابجا خون کے چھینٹے تھے کفن پر اتنے
پر صفا جسم کفن میں جو نظر آتا تھا
خاک آلود تھے بال اور بدن خون آگیں
ان کی آنکھوں سے ٹپکتی تھی زبی یوسی
ان کی حالت پہ مجھے حسرت و حیرت جو ہوئی

صبحدم پھول پہ چھا جاتی ہے جیسے شبنم
شمع فانوس کا نظارہ تھا گویا باہم
آہ ہر پیکر تصویر تھا نقش سالم
مختبر کشمکش روح تھے نقش پیہم
پوچھ بیٹھا سبب کثرت اندوہ و الم

اپنی ہستی کو جو دنیا میں مٹایا تم نے
کچھ خدا سے صلہ ظلم بھی پایا تم نے

ان کے پیکر کو ہوئی لغزش ہستی اک بار
ہاتھ رکھ کر مرے سر پہ یہ کہا آہستہ
ہمیں خالق سے ملا ہے یہ شہادت کا صلہ
اٹھو ان سینکڑوں خدمت کیلئے حوریں ہیں
دے مسلمانوں کو ہم سب کی طرف سے یہ پیام
شرف اندوز ہوئے دولت دیدار سے ہم
خلش رفتہ سے وہ پائی ہے لذت ہم نے
ہے پریشانی خاطر جو بایں اطمینان

اور بڑھا میری طرف ایک جسد خاک بسر
آشنا ہیں تجھے ہم حالت جان مضطر
کہ ہمارے لئے ہے جنت فردوس کا گھر
بہرہ اندوز ہیں نعمائے کرم سے اکثر
کہ ہمیں روئیں نہ پیٹیں نہ کریں حال ابتر
جلوۂ حسن حقیقت ہوا محصور نظر
اور زخموں کی تمنا ہے باندازِ جگر
اس کی اک وجہ ہے سن اور کچھ افسوس نکر

رنج اپنا ہے ہمیں اور نہ اولاد کا ہے
غم فقط بیکسی مسلم برباد کا ہے

خود فراموشی

جناب نیاز فتحپوری

اے مسلماں وہ مذاقِ عیش و مستی کیا ہوا — کیا ہوا وہ اضطرابِ نبضِ ہستی کیا ہوا
مانعِ طوفاں نوائی شوکتِ ساحل نہیں — سنگِ رہ افسردگیِ ہمتِ راحل نہیں
آگیا باہر مذاقِ سیرِ نکہت کو لئے — رہ گئی دیوارِ گلشن اپنی رفعت کو لئے
خود فراموشی ہے قصرِ بے نیازی کا نشاں — راہِ فطرت ڈھونڈھتا ہے جیب و دامن میں کہاں
ہو رہے عنوانِ مطلب سے ضیا کا اقتباس — اے گدازِ شمع ہے تو درسِ طرزِ التماس

جوہرِ آئینۂ دل کو ذرا بے تاب رکھ
ہستیِ سیماب وش کو صورتِ سیماب رکھ

ذوقِ نظارہ ہو منت کش تری پرواز کا — برق ہر جلوہ سے پیدا ہو تقاضا ناز کا
غنچۂ دل میں ترے ظالم پریشانی بھی ہے — کسوتِ جلوے میں تیرے چاک دامانی بھی ہے
شورشِ ذوقِ نظر پہ یہ گراں جانی تری — خاموشی عنواں ہوئی کیوں نالہ سامانی تری
جمع اجزا پر ہیں ہستی کی طرب انگیزیاں — سیکھ لے غنچے سے تو دامن میں گلشن ریزیاں
کیا تمیزِ انعکاسِ شاہد و مقصود ہو — صیقلِ آئینۂ ہستی جو زنگ آلود ہو
بال و پر تجھ میں نہیں بامِ حرم کو چھوڑ دے — سنگ ہے تو شکوۂ یارِ صنم کو چھوڑ دے
تو قدح خوارِ جنوں تھا رشکِ ہر فرزانہ تھا — حلقۂ زنجیر بھی تجھ کو خطِ پیمانہ تھا

اہل مغرب کی چالیں

سید الاحرار مولانا حسرت موہانی

غضب ہے کہ پابند اغیار ہو کر
مسلمان رہ جائیں یوں خوار ہو کر

سمجھتے ہیں سب اہل مغرب کی چالیں
مگر پھر بھی بیٹھے ہیں بے کار ہو کر

اٹھے ہیں جفا پیشگان مہذب
ہمارے مٹانے پہ تیار ہو کر

تقاضائے غیرت یہی ہے عزیزو
کہ ہم بھی رہیں ان سے بیزار ہو کر

ابھی ہم کو سمجھے نہیں اہل مغرب
بتا دو انہیں گرم پیکار ہو کر

فریب و دغا کے مقابل ہیں تم بھی
نکل آؤ بے رحم و خونخوار ہو کر

کہیں صلح و نرمی سے رہ جائے دیکھو
نہ یہ عقدۂ جنگ دشوار ہو کر

یہ ترک و عرب ٹھان لیں اپنے دل میں
رہیں گے نہ محکوم کفار ہو کر

وہ ہم کو سمجھتے ہیں احمق جو حسرت
وفا کے ہیں طالب دل آزار ہو کر

رایتِ حریت

قبضۂ شیر کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے
اب تو انصاف اہل ستم کا دست شمشیر میں ہے

جور یورپ ہے بنا بیداری اسلام کی
خیر ہے در اصل یہ ہنگامہ شکل شر میں ہے

خاطرِ افسردہ میں باقی ہے لیکن یادِ عشق
گرمیِ آتش ہنوز اس مشتِ خاکستر میں ہے

قلتِ افواجِ ترکی پر نہ ہو اے دلیر
ایک ہے سو کیلئے کافی جو اس لشکر میں ہے

اب خدا چاہے تو حسرت جلد ہوتا ہے بلند
رایتِ حریت و حق جو کفِ انور میں ہے

آئینۂ ملت

جنابِ سخن گو خاتون علیگڈھ

آہ پوری قوم کا نقشہ کیسا عبرت انگیز دکھایا ہے۔ خدا ہماری قوم کی حالت پر رحم کرے

شہا ہر ایک قوم کو ذرا بلا کے دیکھنا
دگرنہ از رہِ کرم جہاں میں آ کے دیکھنا

خراب سب سے حال ہیں فصیح سب سے قالمیں
یہی ہے امت آپ کی قریب جا کے دیکھنا

قسم میں یادِ نامِ حق ثنا سے ذکرِ پیر خوب
کرشمہ ان کے شیشۂ یقیں نما کے دیکھنا

ادائے حق کو دیکھ کر قضا کریں نماز کو
اسی کی سمت فرض ہیں نگاہ جا کے دیکھنا

محبتِ دین کی طرف حرم نشین کی طرف
قسم ہے تیری قوم کو نظر اٹھا کے دیکھنا

کوئی یہ اہلِ دیر کو مری طرف سے دے نوید
حریف کا پتہ نہیں حرم کو جا کے دیکھنا

سبو بھی ہستیاں بھی ہیں صنم پرستیاں بھی ہیں
شیوخِ دیں کے قصر کو قدم بڑھا کے دیکھنا

بنا کے لائی آئینہ صفائے طبع بہرِ قوم
مچے گی کیسی کھلبلی ذرا دکھا کے دیکھنا

عیدِ قربان

مولٹنا شوکت علی صاحب نے بمقام ناگپور یہ نظم اپنی زبان سے ارشاد فرمائی تھی۔
معلوم نہیں کہ کن کی ہے

شان دنیا سے نرالی ہے مسلمانی کی
جسکا تو بندہ ہے یہ بھی ہے اسی کا فرماں
چاہتا ہے جو صلہ حق سے تو قربانی کر
مال موجود نہیں جان ہی قرباں کر دے

ہے خوشی عید کی اور عید بھی قربانی کی
خواب میں آکے یہ خود سلسلہ جنبانی کی
خون کی قدر رہے کچھ قدر نہیں پانی کی
وجہ معقول نہیں بے سر و سامانی کی

ہر مسلماں کے لئے حکم ہے یکساں اس کا
اس میں تخصیص نہیں ترکی و افغانی کی

خیالاتِ عزیز بریلوی

بند کی جاتی ہے اسلامی جرائد کی زباں
سلب ہے آزادی تحریر کے حکام وقت
بولنے لکھنے کی آزادی نہ جب ہو گی جناب
عاملان [illegible] بالمعروف ہیں وقفِ عتاب
جرم اتنا ہے کہ کیوں ہم اسقدر ہیں صاف گو

جبر و استبداد کا دیکھو تو یہ جوش و خروش
جانتے ہیں سینۂ مسلم سے مٹ جائیگا جوش
آپ ہی ہو جائینگے آخر کو سب کے سب خموش
ہے بغاوت کا مرادف آج کل ایماں کا جوش
دیکھکر ظلم و ستم ہم کیوں نہیں رہتے خموش

تو متاعِ دل کو لوٹے اور ہم دیکھا کریں
کیوں یہی منشا ہے او غارتگرِ ایمان و ہوش

ترانۂ حقیقت

فخرِ قوم مولانا ظفر علی خاں

ڈالا کسی نے ڈاکا مارا کسی نے چھاپا
رٹتے ہیں زار و کیزر ورد جناب پاپا

روتی ہے تجکو یورپ افریقہ کی یتیمی
اور تجھ کو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا

انصاف اور ایماں ہم کو نظر نہ آئے
مغرب کو ہم نے چھانا مشرق کو ہم نے ماپا

گاتے ہیں وش و اٹلی ملکر کھرج میں اسکو
پنجم کی لے میں جو راگ ابلیس نے الاپا

ہر تیر اس کماں کا جوشن گزار ہو گا
لائق نہیں ہنسی کے اسلام کا بڑھاپا

جو چاہے ذبح کر دے کیا ڈر ہے پانیر کو
اپنے ہی گھر کی بجلی اپنے ہی گھر کا چھاپا

مذہب وفا ہمارا مسلک جفا تمہارا
ہم نے تمہیں سراہا تم نے ہمیں سراپا

ہندوستاں کی قومیں کچھ سوکنیں نہیں ہیں
کس واسطے پھر ان کو آپس میں ہو جلاپا

ہیں مسلم اور ہندو ہندوستاں کا زیور
وہ راستی سراسر وہ مخلصی سراپا

جنونِ حُرّیت

اختر رامپوری

رہوں زنداں میں چھپ کب تک بشکلِ ماہِ کنعانی
پڑا رہنے دوں کب تک میں گلے میں طوقِ زندانی

رہوں پابند ان قیدوں میں مثلِ بجو الال ہمنشیں کب تک
خدا کیواسطے ہمت ذرا دکھلا دل تا کہ جولانی

جھٹک کر توڑ دی زنجیر اور زنداں سے میں بھاگا
جنونِ حریت نے دل میں پیدا کی جو طغیانی

میں کر دوں پارہ پارہ اس لباسِ خود پسندی کو
مجھے مرغوب ہے دل سے وہی پہلی سی عریانی

ستانا چھوڑ دے ورنہ فلک میں آہ سے اپنی
جلا کر خاک کر دونگا بھلا دوں گا ستم رانی

جگر کو کر دیا ٹکڑے بہا آنکھوں سے سیلِ خوں
مری آہِ رسا نے جب لگایا تیرِ روحانی

عدو کا گھر جلا دیں گے شرارے آہِ سوزاں کے
ڈبو دے گی سمندر کو مری گریہ کی طغیانی

مرا نالہ ہلا دے گا یقیناً سقفِ گردوں کو
چلا جائیگا برماتا ہوا تا عرشِ یزدانی

میں ہوں آزاد اب کوا نہیں ہے دستِ ساقی کی
پیا ہے جب سے میں نے ایک جام آبِ حیوانی

بس اب ہشیار مسلم تا کجا یہ خوابِ مدہوشی
بنا ہے کس لئے تو آپ اپنا دشمنِ جانی

نقابِ ابر میں چھپ جائیگا ہو کر خجل اختر
دکھائی داغِ دل کی گر کبھی میں نے درخشانی

پیش قدمی احرارِ ترک در معرکۂ شتلجہ

سید ہاشمی فرید آبادی

ادھر اسلامیوں کا نعرۂ جادو اثر نکلا
در ترکہ شیر استنبول کا عربی ببر گونجا
صدائے الاماں کے شور سے یورپ ادھر گونجا
شتلجہ کی زمین وصوفیہ کا در ادھر گونجا

دلِ اسلام دشمن کپکپائے بعد مدت کے
شہیدانِ تبوکی مسکرائے بعد مدت کے

کلیسا جھک گئے نصرانیت کے قصر تھرائے
گھسے یہ جن صفوں میں چیر کر کھلیان کر آئے
بڑھے اسلام کے فرزند ترکستان کے جائے
زبانِ جوئے خوں سے زخم مقتولوں کے چلائے

ابھی تک سینۂ مسلم میں ذوقِ رزم باقی ہے
علی کا زور زندہ ہے عمر کا عزم باقی ہے

فکر وطن

علامہ اقبال

رُلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھکو
کہ عبرت خیز ہے تیرا افسانہ سب فسانوں میں
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دیدیا گویا
لکھا کلکِ ازل نے مجھکو تیرے نوحہ خوانوں میں
ہوائے امتیاز و ملت و آئین کی موجوں نے
غضب کا تفرقہ ڈالا ترے خرمن کے دانوں میں

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے جھگڑے ہو رہے ہیں باغبانوں میں

جہاں خوں ریز ہی کارزارِ زندگانی سے
مئے غفلت کے ساغر چل رہے ہیں نوجوانوں میں

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

سن اے غافل! صدا میری یہ ایسی چیز ہے جسکو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنیوالی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اسکو جو کچھ ہو رہا ہے ہونیوالا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک لذتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

تغیر اس طرح کا محفلِ ہستی میں آیا ہے
کہ ہے چپ بیٹھ رہنا بھی تباہی کے نشانوں میں

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

خلافت اور اسلام

سید ہاشمی فرید آبادی

ہاں گرفتارِ بلا اے امتِ خیر البشر
دیدۂ بیم و رجا کس بات کا ہے منتظر

اے غزالِ پا شکستہ ہے کہیں مظلوم تر
ڈالتا کیا ہے خلافت پر تو حسرت کی نظر

یاں بنایا جائے گا مرقد ترے ناموس کا
یاں نشاں ہوگا تری ذلت ترے افسوس کا

یاں کھڑی ہو گی عمارت کافرِ گمراہ کی
یاں گھٹا چھایا کرے گی مسلموں کی آہ کی
یاں پریشاں کر دی جائے گی کتاب اللہ کی
خاک میں مل جائیگی عترت رسول اللہ کی
تا نہ بچنے پائے میت بھی کوئی اس نام کی
لاش پانی میں ڈبو دی جائے گی اسلام کی

کس جہنم کی ہوا تھی جس کا جھونکا چل گیا
ایک مدت سے جو امت لے رہی تھی سسکیاں
باغ تیرہ سو برس کا لہلہاتا جل گیا
اس مریضِ نیم جاں کا آج منکا ڈھل گیا
دفعتاً کوہِ غم و اندوہ سر پر آ پڑا
ایک ہچکی میں کلیجہ منہ کے باہر آ پڑا

کیا یہ سچ ہے دینِ احمد کا نکالا دل اور جگر
کیا ابھی تک قبر سے باہر نہیں نکلا عمرؓ
کیا دعائیں کلمہ گویوں کی گئیں سب بے اثر
تا کہ دیکھے مسلموں کو خاک و خوں آشفتہ سر
انہدامِ کوشکِ اسلام آ کر دیکھ لے
اور دریدہ روضۂ اطہر کی چادر دیکھ لے

مسئلہ خلافت پر جدید مطبوعات

اسیر مالٹا کا پیغام حضرت مولانا حسین صاحب مہاجر مدنی اسیر مالٹا اور مولانا محمد علی صاحب کراچی کے ساتھی کی دو مشہور معرکۃ الآرا اور تاریخی تقریریں ۹ر

دنیائے اسلام اور خلافت :- مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا زبردست مضمون جس میں مولانا نے یہ دکھلایا ہے کہ اس وقت تمام دُنیا (چین - روس - ٹیونس - طرابلس - عرب - عراق - شام مصر) کے مسلمان خلافت کے لئے کیا کر رہے ہیں - - - - - ۴ر

تقاریر مولانا ظفر علی خاں :- فدائے ملت مولانا ظفر علی خاں صاحب کی نایاب تقاریر کا مجموعہ - - - - - ۹ر

درس خلافت :- مسئلہ خلافت پر تقریر سکھانے والی مشہور کتاب - پانچویں مرتبہ چھپی ہے - - - - - ۸ر

المکتوب :- مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی کا خود نوشت سفرنامہ میسور، نیلگری، بہار، بلگام، بنگلور کے حالات اور دو زبردست تقریریں بہار خلافت کانفرنس اور بلگام کانفرنس ۸ر

ملنے کا پتہ

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ